چپکنا فون سے خانم کا سنتے آئے تھے لیکن

ڈاکٹر محبوب حسن

راج کمپلیکس، چھیتو پور، بی ایچ یو، وارانسی (یوپی)، موبائل: 8381856066

شکر خداوندی کہ آج کل کتابیں طوفانی بارش کی طرح دھڑا دھڑ شائع ہورہی ہیں، لیکن اردو ادیبوں پر عجیب مشکل دور آن پڑا ہے۔ تازہ اطلاع کے مطابق چند ایک کو دورے بھی پڑنے لگے ہیں۔ ان کے زرد چہروں سے جنم جنم کی اداسی و مایوسی جھلک رہی ہے۔ کیوں کہ موجودہ دور میں قارئین کا حددرجہ قحط ہے۔ مطالعہ تو درکنار کئی بار بطور تحفہ موصول ہونے والی کتابیں لفافے سے باہر آنے کے لیے مہینوں ترس جاتی ہیں۔ خدا رحم کرے!! ہر شخص سمارٹ فون کے غلامانہ عشق کا شکار ہے۔ کتابوں کی ورق گردانی تو دور کی بات ہے، لوگوں کو اطمینان سے سانس لینے تک کی فرصت میسر نہیں۔ صرف زندہ رہنے کی لالچ میں ہوائیں اندر باہر کی جا رہی ہیں۔ کیفیت ایسی کہ مستی میں پستی اور پستی میں مستی کا احساس ہوتا ہے۔ اپنی حالت بھی شاخ نازک پر بنے آشیانے کی مانند ہوگئی ہے۔ ایک تبسم کے انتظار میں ہفتوں اور مہینوں گزر جاتے ہیں۔ آج کل میں اپنے دکھ کی دوا کے لیے ابن مریم کی تلاش میں ہوں۔

موبائل اور انٹرنیٹ نے طرح طرح کے سبز باغ دکھائے تھے، لیکن ان آسانیوں اور سہولتوں کے چکر میں زندگی چکرانے لگی ہے۔ کسی خبیث کے نرغے میں بھی انسانی روح اس قدر بے چین نہیں ہوتی۔ دن کو سکون نہ رات میں راحت۔ نیند سے ہم آغوش کرنے والی آخری جھپکی تک اور آنکھ کے کھلتے ہی فیس بک اور واٹس ایپ کا اسٹیٹس کھنگالنا عناصر زندگی کا حصہ بن چکا ہے۔ عبادت گاہوں میں تختیاں موبائل سوئچ آف کرنے کے لیے منت کش نظر آتی ہیں، لیکن ہماری بے حسی درجۂ کمال تک پہنچی ہوئی ہے۔ ابھی گزشتہ دنوں مغل سرائے کی جامع مسجد میں جمعہ کی دو رکعتیں پوری ہونے تک صف میں کھڑے کئی صاحبان کے موبائل یکایک چیخ پڑے۔ کبھی ''تجھ میں رب دکھتا ہے یارا میں کیا کروں'' تو کبھی ''آئے ہو میری زندگی میں تم بہار بن کے'' کی صدائیں گونجتی رہیں۔ سلام پھیرتے ہی اگلی صف میں شامل ایک حاجی صاحب بھڑک اٹھے۔ اس ناگفتہ بہ ماحول میں نیت باندھنے سے قبل ہی امام صاحبان موبائل سوئچ آف کرنے کی ہدایت کر دیتے ہیں۔ کیا تعجب کہ قبر میں منکر نکیر کے تشریف لاتے ہی انسان عالم بدہوشی میں اپنا سمارٹ فون ڈھونڈنے لگے۔

موبائل اور لائبریری کے درمیان غضب کی رقابت چل رہی ہے۔ دراصل قاری جیسے ہی موبائل کے عشق میں گھائل ہوتا ہے، کتابیں اسے کڑوی کسیلی لگنے لگتی ہیں۔ عاشقوں کی بیزاری/ بے وفائی کے باعث کتب خانوں میں آج کل بیوگی طاری رہتی ہے۔ خاکسار کا خیال ہے کہ پہلا عشق بھوساول کے پکے ہوئے زرد کیلے کی مانند میٹھا ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس کچی عمر میں انسان خاطر خواہ سمجھدار نہیں ہوتا۔ بقول غالبؔ ''شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک۔'' کتابوں کی محبت دراصل اب قصہ پارینہ بن چکی ہے۔ کبھی دوشیزائیں مجازؔ کی شاعری کو تکیے کے نیچے چھپائے اپنی جھیل سی آنکھوں سے آنسو بہاتی تھیں، لیکن اب موبائل پر انگلی چلائی ہوئی نظر آتی ہیں۔ کاش وہ زمانہ واپس آجائے، جب ناول ''امراؤ جان ادا'' چوری ہو جانے پر بلبل جونپوری کی اہلیہ نازک لکھنوی عالم غم میں دوپہر سے دیر شام تک بے ہوش رہیں، لیکن افسوس کہ اب کتابوں پر کسی کی نیت بھی خراب نہیں ہوتی، جس چورا ہے پر بھی چھوڑ دو، مہینوں تک بے یار و مددگار یونہی پڑی رہتی ہیں۔

خاکسار کا خیال ہے کہ جس معاشرے میں کتابوں کی چوریاں رک جائیں، وہاں انسانی قدروں کا زوال یقینی ہے۔ لہذا قدروں کی ازسرنو بازیافت کی فکر میں خاکسار موقع غنیمت ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ قصہ کچھ یوں ہے کہ ایک صاحب کے دیوان غالبؔ پر ہاتھ صاف کیے ہوئے چھ برس گزر گئے، لیکن موصوف اس قدر سخت جان نکلے کہ ان کے فرشتے کو بھی خبر نہ ہوسکی۔ میں جب بھی شیشے کی الماریوں میں بند کتابیں دیکھتا ہوں، میری نیت کروٹ بدلنے لگتی ہے۔ میرے اندر کا فرشتہ جاگ اٹھتا ہے۔ احساس ہوتا ہے جیسے بے زبان کتابیں مجھ سے فریاد کر رہی ہوں۔ لہٰذا ان کی رہائی کی تدبیریں ڈھونڈھنے لگتا ہوں۔ میرا مشاہدہ ہے کہ چوری کی کتابیں خود کو آہستگی سے پڑھوا لیتی ہیں جبکہ پیسوں سے خریدی

ہوئی کتابوں کو یہ اعزاز کہاں؟ شرط یہ کہ یہ کارِ خیر نیک جذبے کے تحت کیا جائے!! کیوں کہ جذبہ اگر پاک ہو تو گناہ میں بھی ثواب کا لطف آتا ہے۔ صاحبو!! کتابوں پر ہاتھ صاف کرنے کے عمل صالح کو چوری سمجھنا مناسب نہیں۔ بلکہ اسے ''وصال ہونے'' سے تعبیر کرنا چاہیے۔ کیوں کہ لیلی ہمیشہ مجنوں کی انصاف کی بات ہے کہ کتابوں پر کسی کی اجارہ داری جائز نہیں بلکہ پڑھنے والوں کا حق ہونا چاہیے۔ فیشن زدہ لوگ کتابوں کو اپنی الماریوں میں کچھ اس ستم کے ساتھ قید رکھتے ہیں کہ یکا یک دم گھٹ جائے۔ خدا معاف کرے!! آج کل آسمانی کتابوں کا حشر بھی کچھ کم عبرت ناک نہیں۔

جی ہاں!! لائبریری میں قید و بند کی سزا کاٹ رہی اردو کتابیں ضمانت پر رہا ہونے کے لیے مدت سے ترس رہی ہیں۔ ہر پل ہر لمحہ ہجر وفراق کی تپش سے پگھلنے والی اردو کتابوں کا رنگ زرد مائل ہو گیا ہے۔ ابھی گزشتہ مہینے خاکسار نے پٹنہ کے مشہور کتب خانے کی زیارت کی۔ یقین کیجیے مرحوم خدا بخش خان کی قائم کردہ ''خدا بخش لائبریری'' کتابوں کی قبرستان میں بن کر رہ گئی ہے۔ سناٹا ایسا کہ وہاں دن کے اجالے میں ہی ڈر جانا حیرت کی بات نہیں۔ قارئین کی بے اعتنائی کا ایک فائدہ یہ ضرور ہوا ہے کہ اردو کی کتابوں پر جمی ہوئی دھول کی موٹی موٹی پرتیں کتابوں کو موسم کے سرد و گرم سے محفوظ رکھتی ہیں۔ ابھی حالیہ دنوں دہلی کے پرگتی میدان میں بین الاقوامی کتاب میلہ منعقد ہوا۔ اس میں ہند و پاک کے بہت سے کتب فروش امیدوں کا قطب مینار لیے جمع ہوئے، لیکن خستہ حالی ایسی کہ ان کی امیدیں جھٹ مایوسی کے ہمالیہ میں تبدیل ہو گئیں۔ سینے میں مچلنے والی حسرتوں کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے اور ان کی پرنور آنکھیں محبان اردو کے انتظار میں پتھرا گئیں۔ ہجر و وصال کی کشمکش میں ڈوبی ہوئی کتابوں کی کسک آمیز کیفیت ملاحظہ ہو:

تم آئے ہو نہ شب بے کتاب گزری ہے
خراب حال کی ہر شب خراب گزری ہے

ریشمی زنجیروں میں جکڑے ہوئے چند ادیبوں نے یہ راز فاش کیا ہے کہ آج کل بیویاں جذبہ رقابت میں کتابوں کو اپنی سوتن سمجھتی ہیں۔ ان کا زیادہ تر وقت کتابوں کو کوسنے میں ہی نکلتا ہے۔ بلکہ موقع ہاتھ آتے ہی کتابوں کو کسی کباڑیے کے حوالے کر دینے میں کسی قسم کی جھجھک محسوس نہیں کرتیں۔ معاملہ حیدرآباد کا ہے۔ مصروف حیدرآبادی صاحب پیشے سے طبیب اور ادب کے مریض ہیں۔ حضرت کے سینے میں شعر و شاعری کی تیر نیم کش عرصۂ دراز سے چبھا ہوا ہے۔ آئے دن ان کے دولت کدے پر ادبا و شعرا کا ہجوم نظر آتا ہے۔ کبھی رسم اجرا تو کبھی رسم رونمائی۔ مہمان شاعروں کی خاطر تواضع میں ان کے بسے بسائے گھر کے اجڑ جانے کی خبر عام ہے۔ یعنی واہ! واہ! کا مزہ اب آہ! آہ! کی سزا میں تبدیل ہو چکا ہے اور رسم رونمائی اب رسم رسوائی کی نذر ہے۔ مصروف صاحب نے اپنی خواب گاہ کو بھی کتابوں کے حوالے کر رکھا ہے۔ گھر میں جگہ جگہ یہاں وہاں ہر جگہ کتابیں ہی کتابیں۔ گلے میں طبی آلات کی بجائے بغل میں کتابیں دبائے پھرتے ہیں۔ جب داد و تحسین میں مزید اضافہ ہوا تو زلفیں بڑھا کر شیروانی میں ملبوس ہو گئے۔ فراق مرحوم سنسان راتوں میں طبیعت گھبرانے پر یادوں کی چادر سے کام چلاتے تھے، لیکن حضرت مصروف صاحب دن کے اجالے میں طبیعت گھبراتے ہی واہ! واہ! کی رٹ لگانے والوں کو اپنے ہسپتال میں ہی بلا لیتے ہیں۔ مریضوں کو اپنے اشعار سنا کر ہی ہاتھ لگاتے ہیں۔ ان کی بیگم اداس صاحبہ کو اپنے شوہر کا یہ ذوق جمال ایک آنکھ بھی نہیں بھاتا۔ اپنی بیگم کی زلف عنبریں سلجھانے کے بجائے حضرت اپنی غزلوں کا قافیہ ردیف درست کرنے میں ہی شب و روز گزار دیتے ہیں۔ محترم کی اس نرگسی مشغولیت کے سبب محترمہ ہجر و فراق کے شعلوں میں مسلسل جھلستی رہی ہیں۔ خبر ہے کہ موصوفہ نے اپنی سوتن کو نذر آتش کرنے یا کسی کباڑیے کے حوالے کر دینے کی دھمکی دے رکھی ہے۔ انھیں صرف کسی موقعِ غنیمت کا انتظار ہے۔

وقت وقت کی بات ہے۔ کسی زمانے میں لوگ داستانوں کی شاہراہوں پر دوڑ لگاتے تھے، لیکن آج ناول کی گلی میں ٹہلنے کی بھی فرصت میسر نہیں۔ سچ پوچھیے تو انٹرنیٹ اور موبائل کا قہر سب سے زیادہ بے چارے ناول نگاروں پر ٹوٹا ہے۔ دراصل ناول کی ضخامت پہلی نظر میں ہی قاری کو اندر تک گھائل کر دیتی ہے۔ ایسے میں اگر ناول کو قاری کی بابرکت انگلیوں کا ہلکا سا لمس اور نظر نوازش کا صرف ایک بوسہ میسر آ جائے تو غنیمت ہے۔ فی زمانہ ناول کا صرف نام یاد رکھ لینا ہی باعث ثواب ہے۔ وہ دن دور نہیں، جب ناول اور داستان محمود و ایاز کی مانند ایک ہی صف میں نظر آئیں گے۔ ناول بھی داستان کی مانند عظمت رفتہ کا کھرچن رہ جائیگا۔ کیوں کہ داستان ایکسپریس نے افسانچہ نگر تک کا سفر طے کر لیا ہے۔ بہت سے دور اندیش فن کاروں نے راہِ فرار اختیار کرتے ہوئے مثنوی ''گلزار نسیم'' کی مریدی اختیار کر لی ہے۔ افسانچہ نگر میں سر چھپانے کے لیے ہوڑ سی مچی ہوئی ہے۔ فن کار کو یہ ادبی رجمہوری حق حاصل ہونا چاہیے کہ وہ اپنی مرضی خوشی سے آزادانہ سرزمینِ ادب کے کسی بھی گاؤں رمحلے میں اپنے خوابوں و حسرتوں کے تخلیقی گھروندے آباد کر سکے۔

قدرت کی شان دیکھیے کہ آج ہوا میں پتھر اچھالتے ہوئے ڈر لگتا ہے کہ کسی بے چارے ادیب کو نہ لگ جائے!! چہار سو شاعروں وادیبوں کی منڈی موجود ہے۔ ہر شخص بغل میں دو چار کتابیں دبائے پھر رہا ہے۔ جدھر دیکھیے کتابوں کی نقاب کشائی کا سلسلہ جاری ہے۔ کہیں کہیں نقاب کشائی کی رسم تیروں سے بھی کی جا رہی ہے۔ اس ہجوم میں بہت سی بدنصیب کتابیں تاعمر پردے میں ہی ڈھکے چھپے زندگی کے شب و روز گزارنے پر مجبور ہیں۔ انھیں تاعمر ایک تبصرہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔ اس قبیل کی کتابیں میدان حشر میں ہی باہر نکلتی ہیں۔ ایسے مصنّفین حضرات کو ہر پل ہر لمحہ رسم رسوائی کا ڈر ستاتا ہے۔ غالب جیسا دیوقامت شاعر اپنے دیوان کی اشاعت کے لیے جوتیاں گھستا رہا، لیکن آج دریائے رحمت سراپا مہربان ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد اپنی صاحبزادیوں کی ذہنی آبیاری کے لیے قصے کہانیاں لکھا کرتے تھے، لیکن آج کا مفلوک الحال فنکار صرف اپنی ذات واحد کے لیے ہی روشنائی بہا رہا ہے کیوں کہ اس کی اپنی اولادیں بھی اسے گھاس نہیں ڈالتیں۔ حالات ایسے ہی قحط زدہ رہے تو جلد ہی قرآن خوانی کی طرز پر ناول خوانی اور شعر خوانی کا اہتمام کیا جائے گا۔ اس کے لیے اخباروں میں باقاعدہ اشتہارات شائع کرائے جائیں گے۔ بازاروں میں لاؤڈ اسپیکر سے اعلان بھی کیا جائے گا۔ حضرات! حضرات! حضرات! ایک ضروری اعلان۔ اگلے جمعرات کو شہنشاہ فکشن کے بنگلے پر بعد نماز فجر ناول خوانی کا اہتمام کیا گیا ہے۔ عاشقان اردو سے گزارش ہے کہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں جمع ہو کر موصوف کو جیتے جی ایثار و ثواب بخشیں۔ خواتین وحضرات! ناول خوانی کی اس مجلس میں ناشتہ اور ظہرانہ کا بھی معقول انتظام کیا جائے گا۔ کالج اور یونیورسٹی کے طلبا و طالبات کو خصوصی سند بھی تقسیم کی جائے گی۔ رکشے سے آنے والے عاشقان اردو کو کرایہ بھی ادا کیا جائے گا۔

خدا جانے انسانوں پر یہ کیسا صبر آزما دور آن پڑا ہے! آج کل نونہالوں کی زندگی پوری طرح موبائل اور انٹرنیٹ کی زد میں ہے۔ بے چارے شیر خوار معصوم بھی اپنے ناکردہ گناہوں کی سزا بھگتنے پر مجبور ہیں۔ حنائی انگلیاں بچوں کے سر پر پڑنے کی بجائے موبائل کے اسکرین پر دما دم رواں رہتی ہیں۔ اپنی پیاری پیاری امّی جان کی اس نرگسی اداکاری کے باعث بے زبان بچے بھوک و پیاس سے بلبلاتے نظر آتے ہیں۔ کاش دریائے رحمت جوش میں آجائے! کاش کسی معصوم کے ایڑیاں رگڑنے سے دودھ کا کوئی چشمہ ہی پھوٹ پڑے! کبھی مائیں اپنے کلیجے کے ٹکڑے کو ہر گھڑی سینے سے لگائے رکھتی تھی، لیکن اب بچوں کی نظر اتارنے کے واسطے بھی مشکل سے فراغت پاتی ہے۔ موبائل بیوی اور شوہر کے نازک رشیریں رشتوں کے درمیان بھی گھس چکا ہے۔ خدا رحم فرمائے!! شوہر اور بیوی دونوں کسی خودمختار صوبے کی مانند آزاد اور خود کفیل نظر آتے ہیں۔ ایک دوسرے کے پہلو میں ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کی یاد نہیں آتی۔ سچ کہیے تو دونوں صوبوں کی زندگی ریل کی پٹریوں کی طرح معلوم پڑتی ہے، جو منزل تک ہمراہ چلتی، لیکن ان کا ہم آغوش ہونا کار دشوار ہو گیا ہے۔ دونوں کو ایک دوسرے کی بھوک پیاس کا احساس تک نہیں۔ ایسے میں زندگی کی تمام خوشیاں وتمنائیں حسرت عشق اور کثرت عشق کے درمیان معلق نظر آتی ہیں۔ چچا غالب کی زبان میں یہی دعا ہے:

چپکنا فون سے خانم کا سنتے آئے تھے لیکن
نہایت سرخرو اب کیسے انٹرنٹ سے ہم نکلے

○○

واقعاتِ دارالحکومت دھلی

یہ کتاب دلّی کی تاریخ بھی بیان کرتی ہے اور جغرافیہ بھی یہ دہلی کی عہد بہ عہد بدلتی ہوئی تہذیب کا بھی مرقع ہے اور یہاں کے قدیم وجدید تمدنی آثار کا بھی۔ یہ معرکۃ الآرا تاریخی دستاویز جو ۱۰۶۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ ۲۲۴ صفحات نقشہ جات اور تصاویر وغیرہ کے ہیں۔ اس کتاب کی تینوں جلدوں کی کمپیوٹر کمپوزنگ کرائی گئی ہے۔ نقشہ جات، عمارات کی تصاویر و دیگر تصاویر کی ری ٹچنگ کرائی گئی ہے۔

ہجری سنین کے ساتھ عیسوی سنین بھی شامل کیے گئے ہیں۔ پرانی املا کو آج کی رائج املا سے تبدیل کیا گیا ہے۔

معروف وممتاز مؤرخ پروفیسر اقتدار حسین صدیقی کا وقیع و بسیط مقدمہ شامل کیا گیا ہے۔ خوبصورت اور جاذب نظر ٹائٹل تیار کرایا گیا ہے۔

مصنف: بشیر الدین احمد   قیمت: پندرہ سو روپے (مکمل سیٹ، تین جلدوں میں)

ناشر: اردو اکادمی، دہلی